

جھوٹ اور سچ کے بارے میں روایات

(مَا جَاءَ فِي الصِّدْقِ وَالْكَذِبِ)

حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سَلِيمٍ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَكْذِبُ إِمْرَأَتِي يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا خَيْرَ فِي الْكَذِبِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَعِدْهَا وَأَقُولُ لَهَا؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا جُنَاحَ عَلَيْكَ.

صفوان بن سلیم سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اپنی بیوی سے کوئی بات جھوٹ کہہ سکتا ہوں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، جھوٹ میں کوئی خیر نہیں، اس نے کہا: یا رسول اللہ، میں اس سے کوئی وعدہ کر لوں، کوئی بات تسلی کی کر لوں تو کیا یہ جائز ہوگا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں کچھ حرج نہیں۔

وضاحت

خانگی زندگی کو خوشگوار رکھنے کے لیے آدمی کو کئی تدبیریں کرنی پڑتی ہیں۔ ہر عاقل آدمی مصالحت کی پالیسی اختیار

کرتا ہے۔ بسا اوقات اس میں بات بنانی پڑتی ہے یا مغالطہ آمیز بات کرنی پڑتی ہے۔ آدمی نے جب یہ سوال کیا کہ کیا میں بیوی سے جھوٹ بول سکتا ہوں؟ تو آپ نے اس کی صاف صاف ممانعت فرمادی کہ جھوٹ بولنے میں کوئی خیر نہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ میں اس سے کوئی وعدہ یا تسلی کی بات کر سکتا ہوں تو آپ نے اس کی اجازت دے دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھنے والے کے سوال کا یہ مطلب لیا کہ اس کی پہلی بات ماضی سے متعلق ہے اور دوسری مستقبل سے متعلق۔ تو ماضی کے کسی واقعہ کے بیان کرنے میں جھوٹ نہیں بولا جائے گا، لیکن مستقبل چونکہ پردہ میں ہوتا ہے، اس توقع پر کہ فلاں کام ہو جائے گا، آدمی اس کے بارے میں وعدہ کر سکتا ہے۔ اس میں وعدہ پورا ہونے یا پورا نہ ہونے، دونوں کا یکساں احتمال ہوتا ہے۔ پھر مستقبل کے کسی وعدہ میں یہ شرط مضمّن ہوتی ہے کہ اگر حالات نے ساتھ دیا تو یوں کروں گا، اگرچہ یہ شرط الفاظ میں ادا نہ ہوتی ہو۔

اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ بیوی کو جھوٹے چکھے دے کر خوش رکھنا مطلوب ہے۔ البتہ ایسی شکلیں اختیار کی جا سکتی ہیں جو جواز کے اندر ہوں اور ان کی مدد سے آدمی کی گھریلو زندگی خوش گوار رہے۔

روایت میں 'کذب' کا جو لفظ آیا ہے، یہ عربی میں وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے مفہوم میں ذومعنی بات یا مغالطہ آمیز بات کرنا بھی شامل ہے، اور جو لوگ بیوی بچے والے ہیں، ان کو گھریلو ماحول سازگار رکھنے کے لیے ایسی باتیں کرنا پڑتی ہیں۔

حَدَّثَنِي مَالِكٌ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ كَانَ يَقُولُ: عَلَيْكُمْ
بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَالْبِرُّ يَهْدِي إِلَى الْحَنَّةِ وَإِيَّاكُمْ
وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَالْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ إِلَّا
تَرَى أَنَّهُ يُقَالُ: صَدَقَ وَبَرَّ وَكَذَبَ وَفَجَرَ.

عبداللہ بن مسعود فرماتے تھے کہ سچائی کو اختیار کرو، کیونکہ سچائی خدا کی وفاداری کی راہ پر لے جاتی ہے اور خدا کی وفاداری جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اور جھوٹ سے بچو، کیونکہ جھوٹ خدا کی نافرمانی کی طرف لے جاتا ہے اور خدا کی نافرمانی دوزخ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ مثل بیان کی جاتی ہے: "اس نے سچ کہا اور وفاداری کی، اس نے جھوٹ کہا اور نافرمانی کی"۔

وضاحت

اس روایت کو بخاری نے بھی لیا ہے۔ وہاں یہ موصول کی شکل میں ہے اور یہاں مرسل ہے۔ سند کے لحاظ سے روایت کا جو درجہ بھی ہو، فلسفہ دین کے لحاظ سے اس کا درجہ بہت اعلیٰ ہے۔

حضرت ابن مسعود کا کہنا یہ ہے کہ سچائی اختیار کرو، کیونکہ سچائی ہمیشہ تمہیں خیر، نیکی، برّ، وفاداری کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور بر جنت کی طرف لے جائے گی۔ بُر کے صحیح معنی وفاداری کے ہیں۔ نیکی اس کا ناقص ترجمہ ہے۔ قرآن میں بُرّاً بَوَالِدَيْهِ* اپنے والدین کے وفا شعار اور فرماں بردار بیٹے کے لیے آیا ہے۔ بُر اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے سارے وعدے پورے کرے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جھوٹ سے بچنے کی تلقین کی۔ اگر آپ جھوٹ نہیں بولتے تو شیطان کا آپ پر کوئی زور نہیں چلے گا۔ اگر آپ عزم کر لیں کہ صداقت اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی رہنمائی کریں گے۔ اس وقت آپ کی زبان سے وہ باتیں نکلیں گی، جیسے لقمان حکیم کی زبان سے نکلتی تھیں۔

مزید غور کریں تو معلوم ہوگا کہ نفاق کا پردہ جھوٹ کے ہوا اور کوئی نہیں اور نفاق ایمان کی ضد ہے۔ نفاق کے ساتھ کوئی چیز باقی ہی نہیں رہتی تو ایمان کیسے باقی رہے گا۔ جھوٹ عملی بھی ہوتا ہے اور قولی بھی۔ عملی جھوٹ تو یہ ہے کہ آپ نماز پڑھیں تو مجبوراً نہ یاریا کاری کے لیے پڑھیں۔ قرآن مجید میں ہے کُذِّبَ إِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَى**، کسل اور بے دلی کے ساتھ نماز ادا کرنا عملی جھوٹ ہے۔ قولی جھوٹ یہ ہے کہ آپ کہیں کچھ، لیکن آپ کے دل میں اس کا الٹ ہو۔ منافق کے لیے ایک ہی راستہ ہوتا ہے جس پر وہ اعتماد کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ قولی اور عملی جھوٹ بول دے گا۔ آپ کو بے وقوف بنا دے گا۔ وعدے کی خلاف ورزی کرے گا، لیکن اس کی بات کا کوئی وزن نہ ہوگا۔ سچا آدمی کسی کو اس طریقے کا دھوکا نہیں دے سکتا۔ اس کے لیے یہ ممکن ہی نہیں ہوتا، کیونکہ اس نے تو سچی بات کہنی ہے۔ وہ اگر کر سکتا ہے تو مغالطہ آمیز بات کر سکتا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بعض نازک مواقع پر ذمہ داری کی نہایت عمدہ کر کے اپنی قوم کو غچا دے دیا۔ لیکن اس کے لیے بڑی ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں اس کی نہایت عمدہ مثال ہمارے سب سے بڑے آدمی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ملتی ہے۔ میں جب اس کو یاد کرتا ہوں تو عیش عیش کراٹھتا ہوں۔ مدینہ منورہ کو ہجرت کے سفر میں آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق تھے۔ کفار مکہ نے

* مریم ۱۹: ۱۴۔

** النساء ۴: ۱۳۲۔

حضور کی گرفتاری کے لیے آدمی پھیلا رکھے تھے۔ اسی دوران میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو جانے والا ایک شخص سر پر آ پہنچا۔ اس نے انھیں مخاطب کر کے پوچھا: 'من معك هذا' (یہ آپ کے ساتھ کون ہے؟) غور کیجیے کہ ناگہانی طور پر اس سوال کا فوری جواب دینا کتنا مشکل تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت ہو جانے میں کتنے خطرات درپیش ہو سکتے تھے، لیکن نہایت سادگی سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا 'رجل یھدینی الطریق' (ایک شخص ہے جو مجھے راستہ دکھاتا ہے)۔ یہ کتنی سچی بات تھی۔ صحرائی سفر میں راستہ دکھائے بغیر آدمی سفر کر ہی نہیں سکتا۔ اس حوالہ سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ممکن ہے آدمی کرائے پر لیا ہوتا کہ راستہ دکھائے۔ دوسری طرف پیغمبر سے بڑھ کر صحیح راستہ دکھانے والا کون ہو سکتا ہے؟ پوچھنے والے کا ذہن پہلی بات کی طرف چلا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی ممکن خطرہ سے محفوظ ہو گئے۔ اس طرح کی گفتگو بجائے خود سچ پر مبنی ہوتی ہے، لیکن کہنے کے انداز سے دوسرا آدمی غپا کھا جاتا ہے۔

حَدَّثَنِي مَالِكٌ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّهُ قِيلَ لِلْقَمَّانِ: مَا بَلَغَ بِكَ مَا نَرَى؟ يُرِيدُونَ
الْفَضْلَ، فَقَالَ لُقْمَانُ: صِدْقُ الْحَدِيثِ وَكَادَأُ الْأَمَانَةَ وَتَرَكْتُ مَالًا يَعْينِي.

امام مالک کی بلاغات میں سے ہے کہ لقمان حکیم سے پوچھا گیا کہ آپ کو جو بلند درجہ ملا ہے آپ اس پر کس طرح سے پہنچے ہیں، تو لقمان نے کہا کہ بات کی صداقت سے، امانت کی ادائیگی سے اور اپنے سے غیر متعلق باتوں سے اجتناب کی بنا پر۔

وضاحت

یہ تینوں باتیں اپنی جگہ پر اہل ہیں۔ حضرت لقمان نبی نہیں تھے، بلکہ عرب کے حکما میں سے تھے۔ قرآن مجید میں ان کا ذکر اپنے بیٹے کو نصیحت کرنے کے ضمن میں ہوا ہے۔ اس میں یہ باتیں نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بعض واقعات اور اقوال عرب میں مشہور بھی تھے اور لوگ ان کو بیان کرتے تھے۔ انھی میں سے ایک واقعہ امام مالک نے لیا ہے۔

حضرت لقمان حکمت کے جس بلند مقام تک پہنچے، اس کو وہ تین صفات کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ سچائی، امانت اور غیر متعلق باتوں سے سروکار نہ رکھنا۔ یہ تینوں نہایت بلند اخلاقی صفات ہیں۔ سچائی اور امانت کا وصف تو قرآن مجید کی رو سے ہر پیغمبر کا لازمی وصف ہوتا ہے۔ اسی طرح جس آدمی کے سامنے کوئی مقصد زندگی ہو، اس کے پاس غیر متعلق

باتوں میں دل چسپی لینے کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا۔

یہ روایت بھی کسی پہلو سے حدیث کی تعریف میں نہیں آتی۔ امام مالک کے ہاں اس طرح کی بلاغات کی کثرت کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ ابتدائی دور میں کسی بھی اچھی بات کو روایات میں جگہ دے دی جاتی تھی۔ خواہ وہ کسی سابق پیغمبر سے منسوب ہو یا اس کی نسبت کسی حکیم شخص یا صحابی کی طرف کی جاتی ہو۔ چونکہ اس طرح کی حکیمانہ باتیں عوام کی زبان پر چڑھ جاتی ہیں، اس لیے امام مالک نے ان کو بلاغات کے طور پر لے لیا، یعنی ان کے لیے سند کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ سند کا جو پہاڑ بنا لیا گیا، یہ بعد کی بات ہے۔

حَدَّثَنِي مَالِكٌ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ كَانَ يَقُولُ: لَا يَزَالُ الْعَبْدُ يَكْذِبُ وَتَنَكَّتْ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءٌ حَتَّى يَسْوَدَّ قَلْبُهُ كُلُّهُ فَيَكْتُبَ عِنْدَ اللَّهِ مِنَ الْكَاذِبِينَ.

امام مالک کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے تھے کہ آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے تو ایک ایک سیاہ نکتہ اس کے دل پر پڑتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کا دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ جھوٹوں میں لکھا جاتا ہے۔

وضاحت

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول صحیح اور اصول کے مطابق ہے۔ گناہ کرنے کے متعلق جو روایت آئی ہے، اس میں یہ ہے کہ آدمی جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ نشان پڑ جاتا ہے جو توبہ و استغفار سے صاف ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر آدمی پروا نہ کرے اور گناہ کرتا رہے تو پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید سے بھی دلوں پر مہر ہو جانے کی حقیقت یہی معلوم ہوتی ہے کہ دل اس طرح بند ہو جاتا ہے کہ نیکی کی کوئی کرن اس سے گزر نہیں کر پاتی۔ چونکہ جھوٹ تمام گناہوں کی بنیاد ہے، اس لیے گناہ کے بارے میں سنۃ اللہ کا اطلاق اس پر ہوگا۔ لہذا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول بالکل ٹھیک ہے۔ اگرچہ روایت کی حقیقت بلاغات کی ہے اور یہ موقوف بھی ہے۔

حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ أَنَّهُ قَالَ: قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّكُورُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا؟ فَقَالَ: نَعَمْ، فَقِيلَ لَهُ: أَيُّكُورُ الْمُؤْمِنُ
بَخِيلًا؟ فَقَالَ: نَعَمْ، فَقِيلَ لَهُ: أَيُّكُورُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا؟ فَقَالَ: لَا.

حضرت صفوان بن سلیم کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا مومن
بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں، پھر پوچھا گیا کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔
پھر سوال کیا گیا کہ کیا مومن جھوٹا ہو سکتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا، نہیں۔

وضاحت

سند کے لحاظ سے یہ روایت مرسل ہے اور اس لحاظ سے اس کی کوئی اہمیت نہیں، لیکن بات اپنی جگہ پر ٹھیک ہے۔
بہت اعلیٰ درجے کا ایمان ہوگا تو آدمی بزدل ہوگا، نہ بخیل۔ لیکن یہ کمزوریاں رکھتے ہوئے بھی مومن مختلف درجات
کے ہوتے ہیں۔ البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن رکھے کذاب ہونے کی نفی کر دی، اس کی وجہ یہ ہے کہ جھوٹ منافق
کا شیوہ ہوتا ہے اور منافق مومن نہیں ہوتا، بلکہ وہ بہت ہی گھٹیا قسم کا کافر ہوتا ہے۔ اخلاقی جرأت کے فقدان کے
باعث وہ مومن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، جبھی وجہ ہے کہ وہ جہنم کے سب سے بدترین درجے میں ہوگا۔ پھر اس امت کے
افراد کی منصبی ذمہ داری حق کی سچائی کی گواہی دینا ہے، اس لیے کوئی صاحب ایمان اس وصف سے خالی نہیں ہو سکتا۔

